ڈاکٹر ایس ایم اکرام

رسائل شبلیؒ

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کی زیرِ طبع تصنیف "یادگارِ شبلیؒ" کا ایک باب - اس تصنیف میں علامہ شبلی نعمانی کے مفصل حالاتِ زندگی، اُن کی تصانیف اور کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے - (ادارہ)

جون ۱۸۹۸ء میں شبلی علیگڑھ سے چھ ماہ کی رخصت پر گئے؛ اور اس کے بعد استعفیٰ بھیج کر کالج سے علیحدہ ہو گئے - ان کی آخری کتاب جو قیامِ کالج کے دوران میں چھپ کر شائع ہوگئی، رسائل شبلی کی تھی، جس کے شروع میں دیباچہ کی تاریخ یکم فروری ۱۸۹۸ء درج ہے - یہ دیباچہ نیا اور کئی لحاظ سے دلچسپ اور اہم تھا لیکن باقی کتاب میں قدیم شائع شدہ مضامین کو یکجا کیا گیا تھا - ان مضامین کی فہرست حسبِ ذیل ہے -

(۱) اسلامی شفاخانے (۲) اسلامی کتب خانے (۳) حقوق الذمیین (۴) الجزیہ (۵) ٹیکنکس اور مسلمان (۶) خطبہ (ندوۃ العلما اجلاس دوم) (۷) النظر (۸) کتب خانہ اسکندریہ (۹) تراجم (۱۰) اسلامی مدارس (۱۱) قدیم تعلیم -

ایک لحاظ سے اِس مجموعہ کا سب سے قدیم مضمون تراجم ہے - کیونکہ اس کی ابتدائی صورت علامہ شبلی کی سب سے پہلی تصنیف "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" میں ابتدائی آٹھ صفحات کے بعد "ترجمے مختلف عہدوں کی کوششیں، ترجموں کی صحت و غلطی، عام رائے" کے تحت کوئی اٹھائیس صفحات میں درج ہے[1] فاضل مصنف رسائل شبلی کے دیباچہ میں اِس کے مضامین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ان میں سے تراجم کا مضمون جس کو میں نے لکھنؤ کی کانفرنس میں پیش کیا تھا - اس کے متعلق نہایت کثرت سے نئی معلومات بہم پہنچیں . . . اِس بنا پر میں نے اس مضمون کو ایک مستقل مضمون قرار دیا" علامہ نے واقعی نئی معلومات بہم پہنچانے میں بے حد محنت کی تھی لفظی ترمیم اور تصحیح معلومات کے علاوہ مضمون کا حجم چوگنا ہوگیا پہلے یہ اٹھائیس صفحات پر مشتمل تھا - اب اس کے ۱۱۲ صفحات ہیں[2] -

---

[1] مقالات شبلی جلد سوم ص ۸ تا ص ۳۶ [2] مقالات شبلی جلد ششم ص ۱ تا ص ۱۱۲

معلوم ہوتا ہے تراجم میں تصحیح و اضافہ کے بعد مولانا کثرتِ محنت سے تھک گئے یا کوئی اور وجہ ہوئی۔ اگلے مضمون اسلامی مدارس میں نئی معلومات ہیں۔ فقط لفظی ترمیمیں فرمائیں پہلے عنوان تھا "مدرسے اور دارالعلوم" اور اب اسے بدل کر "اسلامی مدارس و دارالعلوم"۔ نفسِ مضمون میں بھی تبدیلیاں اسی قسم کی ہیں۔ آخری مضمون یعنی قدیم تعلیم میں لفظی تبدیلیاں بھی نہیں اور اسے اصل کے مطابق شائع کر دیا گیا ہے۔

جب دارالمصنفین میں مولانا کی تحریروں کو مقالاتِ شبلی کی نو جلدوں میں جمع کیا گیا تو رسائلِ شبلی کا دیباچہ نظر انداز ہو گیا یا کسی غلط فہمی کی بنا پر گزشتہ تعلیم کا مترجمہ والا حصہ جس کی جگہ تراجم والے مضمون نے لی تھی۔ اور جو فی الحقیقت منسوخ ہو گیا تھا، مقالاتِ شبلی کی تیسری جلد میں شامل کر لیا گیا۔ تراجم والا مضمون تمام و کمال چھٹی جلد میں آیا۔ بظاہر اٹھائیس صفحات کے مترجمہ والے مضمون کو نظر ثانی اور اضافہ شدہ مضمون کی موجودگی میں چھاپنا اصولِ فن کے خلاف ہے لیکن جن لوگوں کو علامہ کے قلم کی ایک ایک سطر عزیز ہے، وہ اس کی شکایت نہیں کریں گے۔ ایک مضمون کی دو مختلف صورتوں سے جو گیارہ سال کے وقفے سے شائع ہوئیں، اندازہ ہوتا ہے کہ اتنی مدت میں مولانا کی معلومات میں کتنا اضافہ ہوا اور ان کے لیے یہ زمانہ کتنی علمی ترقی کا تھا لیکن افسوس کہ رسائلِ شبلی کے اہم دیباچہ کو مقالات میں جگہ نہ دی گئی۔ دوسرے اسلامی مدارس والا مضمون فقط اپنی پرانی صورت میں شائع ہوا۔ اس میں تبدیلیاں اتنی تھوڑی تھیں کہ گزشتہ تعلیم اور رسائل والے دونوں مضامین کو چھاپنا غیر ضروری تھا۔ لیکن اتنا تو چاہیے تھا کہ اس مضمون کی ترمیم و تصحیح شدہ صورت (ایک نوٹ کے ساتھ) اصل مضمون کی جگہ شائع ہوتی۔ (شاید بعد کے ایڈیشنوں میں اب بھی ترمیم ہو سکے)۔

گزشتہ تعلیم کے علاوہ قابلِ ذکر قدیمی مضمون الجزیہ ہے جو اپنی اصلی صورت میں ۱۸۸۹ء میں شائع ہوا۔ کتب خانہ اسکندریہ پہلے ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا۔ جب (بقول سید سلیمان ندوی) سرسید نے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں مجلسِ تصحیح اغلاطِ تاریخی کی تاسیس کا اعلان کیا۔ اور مولانا شبلی اس کے سیکرٹری تھے۔ حقوق الذمیین والا مضمون بھی اسی سلسلے میں شائع ہوا۔

۱۸۹۴ء میں علی گڑھ کالج میگزین کو جو ابھی تک انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا مختصر ضمیمہ ہوتا تھا ایک مستقل صورت دی گئی۔ پہلے اس میں فقط کالج کے حالات، مجلسوں کی رودادیں اور گاہے گاہے اکابر کالج کے مضمون چھپتے تھے۔ اب منتظمین کالج نے اسے ایک مستقل علمی رسالہ کی صورت دینی چاہی۔ اس تبدیلی کی تفصیل مولانا شبلی کے اپنے الفاظ میں پڑھیے۔۔۔

"اس کے منتظموں نے اس کو اور زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ ایک بالکل علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی علمی خبروں کے علاوہ مسلمانوں کے علوم و فنون، تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پُرزور مضامین لکھے جائیں۔ اس غرض سے اُس کے چوبیس ۲۴ صفحے اُردو کے لیے مخصوص کر دیے گئے اور اس صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا۔ میں اس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کروں گا"[۱]

مولانا شبلی نے اپنے وعدے کو پوری طرح نباہا اور علی گڑھ میگزین (شعبۂ اردو) میں جسے الندوہ کا پیش رو کہا گیا ہے بڑی توجہ دی منتظمین کالج اس رسالہ کو قوم کا علمی مجلہ بنانے کے خواہاں تھے۔ "مشہور اہلِ قلم مولانا حالی، نواب محسن الملک مولوی نذیر احمد اور منشی ذکاء اللہ وغیرہ" نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں۔ "اس میں مولانا شبلی کے علاوہ، مولانا حالی اور مولانا ذکاء اللہ صاحب وغیرہ کے مضامین ماہ بماہ چھپتے رہے۔ لیکن اصل بوجھ مولانا شبلی کو اٹھانا پڑا۔ انھوں نے اس میں اسلامی حکومتوں کے اہم تمدنی اور انتظامی صیغوں پر ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا جنھیں بعد میں وہ ایک مستقل کتاب میں جمع کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ کا پہلا مضمون اسلامی حکومتیں اور شفاخانے کے عنوان سے جولائی ۱۸۹۵ء کے پرچہ میں شائع ہوا" (حیات ص ۱۶۲)۔ یہ مضمون رسائلِ شبلی مطبوعہ ۱۸۹۸ء میں شامل ہے اس کتاب کے دو اور مضامین اسلامی کتب خانے اور مکینکس اور مسلمان بھی بظاہر اسی سلسلۂ مضامین سے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن سید صاحب جنھوں نے غالباً علی گڑھ میگزین کا فائل دیکھا تھا، فرماتے ہیں کہ اسلامی کتب خانوں والا مضمون پہلے حیدرآباد کے رسالہ حسن میں ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا[۲]۔ دوسرے مضمون کی نسبت وہ خاموش ہیں لیکن حقوق الذمیین کا مضمون، ان کے فرمانے کے مطابق، پہلے علی گڑھ میگزین کے اپریل اور مئی نمبر میں شائع ہوا[۳]۔

---

[۱] حیاتِ شبلی ص ۱۶۱ - ص ۱۶۲ [۲] حیاتِ شبلی ص ۲۲۶

[۳] باقیاتِ شبلی کے ص ۱۴۵ تا ص ۱۴۷ پر مولانا شبلی کا ایک اہم خط مورخہ ۱۴ رمئی ۱۸۹۵ء مولانا محمد علی کے نام درج ہے۔ ابتدا ہے "مولانا! خط پہنچا، مجھ کو افسوس ہے کہ آپ ایک مسلمان کی بات کا اعتبار نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے بلا خیال میگزین میں مضمون دے دیا۔ میگزین میں لیکچر کا چھپنا مقاصد کے لیے مفید ہے۔ نہ کہ مضر۔ میگزین سے نقل ہو کر تمام اخباروں میں چھپے گا اور ندوہ کا ذکر ساتھ ساتھ ہو گا۔"

مولانا شبلی ان دنوں ندوہ کی تحریک میں سرگرم حصہ لے رہے تھے۔ چنانچہ ندوہ کے دوسرے جلسے (منعقدہ ۲۵ اپریل ۱۸۹۵ء) میں جو اہم خطبہ انھوں نے "علما کے فرائض" کے عنوان سے پڑھا تھا وہ اسی سال جون کے علی گڑھ میگزین میں شامل ہوا (جس پر غالباً مولانا محمد علی ناظم ندوہ نے سخت اعتراض کیا[1]) اور پھر رسائل شبلی میں شامل کرایا گیا۔ اسی طرح مئی ۱۸۹۶ء کے علی گڑھ میگزین میں انھوں نے ندوہ کے تیسرے سالانہ اجلاس کی روداد اپنے قلم سے لکھ کر شائع کی۔ مقالات شبلی کے کئی دوسرے مضامین (مثلاً "املا اور صحت زبان" اور "سرسید اور اردو لٹریچر") کی نسبت سید صاحب نے صراحت کی ہے۔ وہ پہلے علی گڑھ میگزین میں شامل ہوئے۔ موخر الذکر مقالہ کی نسبت سید صاحب کا قیاس ہے کہ غالباً اس رسالہ میں مولانا کا یہ آخری مضمون تھا۔ جو جون ۱۸۹۸ء کے پرچے میں نکلا۔ اسی مہینہ سرسید نے وفات پائی[2]۔ سرسید کی وفات مارچ ۱۸۹۸ء میں ہوئی۔ اور مضمون کی عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ یہ ان کی وفات کے بعد لکھا گیا لیکن اس کی تاریخ اشاعت کے متعلق سید سلیمان کا فرمانا صحیح ہوگا۔ بہرکیف اتنا ظاہر ہے کہ علی گڑھ میگزین (اردو) سے شبلی کا کم از کم سرسید کی وفات تک گہرا تعلق رہا

جب بزرگانِ دار المصنفین نے مولانا شبلی کے تمام مقالات کو مختلف جلدوں میں مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا تو اس سلسلے میں کئی اصولی غلطیاں ہوئیں[3] لیکن تاریخی مضامین کے متعلق جو طریقِ کار اختیار کیا گیا وہ اور بھی انوکھا ہے۔ مقالات کی تصنیفی جلدیں علیحدہ علیحدہ مباحث (مذہبی۔ ادبی۔ تاریخی وغیرہ) کے لیے وقف ہیں۔ تاریخی مقالات دو جلدوں میں جمع ہوئے۔ اگر شبلی کے مقالات تاریخی ترتیب سے مرتب کیے جاتے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی کہ شبلی کی تصنیفی اور علمی زندگی میں علی گڑھ کو کتنا دخل تھا کیونکہ

---

[1] حیات شبلی ص ۱۶۲ [2] حیات شبلی ص ۱۶۲۔ لیکن اسی کتاب کے ص ۲۲۸ پر "مارچ اور اپریل ۱۸۹۶" لکھا ہے

[3] مولانا عبد الماجد دریا بادی "مکتوبات سلیمانی جلد دوم" کے ایک حاشیے میں لکھتے ہیں "مقالات شبلی کے حصے نکل رہے تھے۔ ہر حصہ مرتب کی کوتاہیوں اور خامیوں سے لبریز ہوتا تھا" (ص ۱۰) انھوں نے سید سلیمان کی اس طرف توجہ دلائی تو سید صاحب نے جو کچھ جواب میں لکھا وہ عجیب و غریب تھا۔ فرماتے ہیں "مقالات کا یہ حال ہے کہ میں تو وقت دینے سے رہا عبد السلام صاحب کے سپرد یہ کام ہے۔ آپ ان سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟" (مکتوبات سلیمانی جلد دوم ص ۱۰) ویسے مقالات کی سب جلدوں پر سید صاحب کا نام بطور مرتب کے درج ہے۔

علمی لحاظ سے قریباً سارے اہم اور ٹھوس مضامین وہاں پہنچ کر لکھے گئے۔ لیکن مقالات کو سالِ تصنیف کے اعتبار سے نہیں بلکہ مضامین کے لحاظ سے مرتّب کیا گیا۔ خیر اس میں بھی مصلحتیں ہیں۔ لیکن تاریخی مقالات کی دو جلدوں پر جو عمل ہوا، وہ زیادہ بعید از فہم ہے۔ پہلے اس مجموعہ سے بعض ان مضامین کو خارج کیا گیا جو فی الواقع تاریخی تھے۔ (مثلاً مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم) اور انھیں خفیف اشتراک موضوع کی بنا پر دوسری جلدوں میں شامل کر دیا گیا۔ باقی مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ سیّد سلیمان دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "پہلے حصہ میں صرف اکابرِ اسلام کے سوانح حیات کے متعلق مضامین درج کیے گئے ہیں"۔ لیکن پتہ نہیں انھوں نے "موبدانِ مجوس" کو کس طرح "اکابرِ اسلام" میں شمار کر لیا۔ بعض مضامین ایسے ہیں کہ زیادہ صحت کے ساتھ کسی دوسری جلد کا جزو ہو سکتے تھے۔ مثلاً متنبی والا مضمون فی الواقع ادبی جلد کا حصّہ ہے۔ اسی طرح ابنِ رشد فلسفہ سے متعلق مضامین کا حصّہ ہے۔ (کم از کم "ندوۃ العلما کا سالانہ اجلاس اور علمی نمائش گاہ" اسے زیادہ جیسے فلسفیانہ مضامین میں شامل کیا گیا ہے!) لیکن اس غیر ضروری ادخال کے باوجود سوانحی جلد ۱۳۰ صفحے سے نہیں بڑھتی۔ تاریخی حصّہ قدرتی طور پر زیادہ وقیع ہے۔ قطع و برید کے باوجود اس کے ۲۴۰ صفحات ہوتے ہیں۔ لیکن "تاریخی مقالات" کی دو جلدوں میں بھی اسے ثانوی حیثیت دی گئی اور "تاریخی مقالات" کی دو جلدوں میں بھی تاریخی مضامین کو پہلی نہیں، دوسری جلد میں شامل کیا گیا۔ کیا اس کی وجہ یہ تو نہ تھی کہ ٹھیٹھ تاریخی مقالات کو ان کی موزوں جگہ دینے سے یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی کہ سوائے چالیس صفحوں کے دو ہلکے پھلکے مضامین کے باقی سب تاریخی مقالات رسائل شبلی سے نقل کیے گئے ہیں اور قیامِ علی گڑھ کا ماحصل ہیں؟

رسائل شبلی میں قطع و برید کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مصنّف کا تین چار صفحے کا بیش قیمت دیباچہ، جس میں انھوں نے نہ صرف قومی تاریخ نگاری کی ابتدا پر روشنی ڈالی تھی بلکہ قوم کے تحقیقی مذاق کی پستی پر اپنے تلخ تاثرات بیان کیے تھے، حذف ہو گیا۔ اب سیّد سلیمان نے اسے حیاتِ شبلی میں نقل کر دیا ہے[1] لیکن ظاہر ہے کہ وہاں اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ جو کوئی مقالاتِ شبلی (تاریخی) کی دو جلدیں دیکھتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے۔

---

[1] حیاتِ شبلی ص ۲۲۸ تا ص ۲۳۰